باسمہ تعالیٰ

"آفتاب جو غروب ہوگیا"

از محمد مشتاق تجاوری، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ

تیرہ و تار تھی پہلے ہی یہاں شام حیات — دامن چرخ سے ایک اور ستارہ ٹوٹا
کوئی بتلاؤ میری قوم کے معصوموں کو — کون برباد ہوا کس کا سہارا ٹوٹا

یہی کوئی دن کے ساڑھے بارہ بجے ہوں گے جب ہمارے ایک دوست نے اطلاع دی کہ مولانا محمد تقی امینی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ یہ خبر سنتے ہی اولاً تو سکتہ کی سی کیفیت ہوگئی۔ کانوں کو جیسے یقین نہ آیا ہو۔ ابھی تقریباً ایک گھنٹہ قبل انہوں نے مجھے یاد فرمایا تھا۔ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ دھوپ سینک رہے ہیں۔ اور خاصے روبہ صحت معلوم ہو رہے ہیں۔ لیکن اب اچانک یہ خبر ——؟ کیا واقعی مولینا کا انتقال ہوگیا ہے۔ کیا سچ مچ مولانا ہم سے جدا ہو گئے ہیں؟ کیا یہ سچ ہے کہ مولینا نے رخت سفر باندھ لیا۔ اور کوچ کر گئے۔؟ کیا امت کا یہ درخشاں ہوا بے نور ہوگیا؟ کیا یہ عظیم المرتبت شخصیت ہمیں داغ مفارقت دے گئی۔؟ کیا امت کی تقدیر کے آسمان سے ایک اور ستارہ شہاب ثاقب ہوگیا؟ —— ہم جلدی سے مولینا کے گھر کی طرف لپکے مگر دروازے

ہی پر جیسے کسی نے قدم پکڑ لیے ہوں۔ نالہ وشیون کی آوازیں ایسا ثبوت تھیں کہ ہمیں اس خبر پر یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ؎

چل بسا داغ آہ میت اسکی زیب دوش ہے آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ہے

پروفیسر سابق ڈین فکلٹی آف تھیالوجی مولینا محمد تقی امینی صاحب کے اٹھ جانے سے ایک پوری انجمن خالی ہو گئی ہے وہ ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک کارواں تھے۔ وہ ایک آدمی نہیں بلکہ ایک انجمن تھے۔ ایک بزم اور ایک محفل تھے۔ اگر ان کو آج کے دور میں علماء کا سرخیل کارواں کہا جائے میں سمجھتا ہوں کہ بے جا نہ ہوگا۔ ان کی ذات اپنے آپ میں ایک ادارہ تھی۔ وہ علم وحکمت کا چلتا پھرتا خزانہ تھے۔ اُن کے دم سے علی گڑھ میں علم دین کی قندیل روشن تھی، جب کبھی کوئی دینی، فقہی مسئلہ حل نہیں ہو پاتا تھا تو یقین رہتا تھا کہ مولینا کے یہاں حل ہو جائے گا۔ مگر آہ ـــــ کسی کو بھی نہ بخشنے والی موت نے آج آپ کی باری لگادی۔ انھیں بھی ہم سے چھین لیا۔ اور وہ بھی ہم سے جدا ہو گئے۔ ؎

ہائے گلچین اجل یہ تجھ سے نادانی ہوئی پھول وہ توڑا چمن میں جس سے ویرانی ہوئی

ابھی چند ماہ پہلے ہی کی تو بات ہے مجھے مولینا نے یاد فرمایا اور ہفتہ وار اخبار "بلٹز" کا ایک شمارہ دکھاتے ہوئے کہا۔ "مشتاق میاں! اس میں ہمارے متعلق ایک مضمون آیا ہے۔ اسے دیکھو"۔ میں نے لیا اور پڑھا اس کا عنوان تھا "ستارہ جو آفتاب بنا" اس عنوان کا ذکر کرتے ہوئے مولینا نے فرمایا کہ کچھ دنوں بعد آئیگا "آفتاب جو غروب ہو گیا" اگرچہ اس لفظ کی دہشت سے ہمارا کلیجہ اچھل کر حلق میں آنے کو ہوا تھا مگر ہمیں یقین تھا کہ ہمارے مشفق استاد ابھی تادیر ہمارے سروں پر سایہ فگن رہیں گے

اور ہم ان کی صحبت میں علم وفن کے موتی چنتے رہے گے۔ لیکن ان کا آفتاب بننا ہمارے لئے ان کے غروب کی علامت بن گیا۔ ؎

کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

آج امت مسلمہ جس قحط الرجال سے دوچار ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ جب امت کا سیاسی وسماجی اور خصوصاً مذہبی شیرازہ منتشر ہو رہا ہے، پوری قوم ایک مستقل کرب وبے چینی میں مبتلا ہے، امت کے مسائل ومصائب کا مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، ان کی پریشانیاں پیچیدہ تر ہوتی جا رہی ہیں، آئے دن کے ہنگاموں اور شورشوں میں قوم کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو رہی ہے، ایسے مصائب سے پُر حالات میں مولانا جیسے مدبر، ذہین اور زبردست عالم دین کا اٹھ جانا پوری امت کے لئے ایک سانحہ سے کم نہیں ہے۔

ضرورت جتنی بڑھتی جا رہی ہے صبح روشن کی
اندھیرا اور گہرا، اور گہرا ہوتا جاتا ہے

مولانا محمد تقی امینی صاحب کی ولادت ۲۲ شوال ۱۳۴۴ھ مطابق ۵ مئی ۱۹۲۶ء کو ضلع بارہ بنکی کے ایک گاؤں میں ہوئی تھی۔ آپ کے والد کا نام عبدالحلیم تھا۔ ابتدائی تعلیم کے لیے آپ کو گاؤں ہی کے ایک مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ وہاں مولانا نے کلام پاک حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ قرأت وتجوید کی تعلیم بھی حاصل کی۔ ذہانت وفطانت کی علامات بچپن ہی سے نمایاں تھیں۔ اس لیے آپ کے اساتذہ نے ان کے والد صاحب سے مشورہ کرکے انہیں جامع العلوم کانپور میں داخل کروا دیا۔ یہاں آپ نے عربی زبان کے علاوہ اسلامیات، فقہ اور تفسیر کی تعلیم پائی۔ اس وقت ہندوستان کے طول وعرض میں علوم دینیہ کی تعلیم

کے لیے تین ادارے خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور مدرسہ امینیہ دہلی مگر ان میں مفتی کفایت اللہ صاحب کی وجہ سے امینیہ کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس وقت تو امینیہ کے در و دیوار سے بھی علم و عرفان کی بارش ہوتی تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے طلباء بھی سندِ فراغت لینے کے بعد وہاں درسِ حدیث کے لیے آتے تھے اس لیے مولانا محمد تقی صاحب کے بھی اساتذہ نے سمجھا کہ اس درشاہوار کو جب تک مولانا مفتی کفایت اللہ علیہ الرحمۃ جیسا عظیم المرتبت فقیہہ اور محدث نہیں ملے گا اس وقت تک اس کی فطری تابناکی محتاجِ رونمائی رہے گی چنانچہ آپ کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدرسہ امینیہ دہلی بھیج دیا گیا۔ یہاں گویا آپ کو منزلِ مقصود مل گئی یا فردوسِ گم گشتہ آپ کو حاصل ہو گئی، آپ کی امیدیں بر آئیں۔ علم و عرفان کی جس محفل کے لیے آپ کے سینہ میں نامعلوم سی خلش تھی، اس کو تسکین مل گئی۔ علم و فقہ کی تخم ریزی کاتبِ ازل نے آپ کی فطرت میں رکھی تھی اس کو برگ و بار نکالنے کا موقعہ مل گیا اور اس نے اپنی ننھی ننھی کونپلیں نکالنی شروع کیں۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بھی جلد ہی محسوس کر لیا کہ یہ ایک انتہائی ذہین اور باصلاحیت طالب علم ہے اس لیے اپنی خصوصی توجہات مولانا پر منعطف کر دیں۔ قابلِ عظمت استاذ کے زیرِ سایہ یہ ننھا سا پودا بہت جلد تناور درخت بن گیا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مولانا کی نسبت "امینی" سے عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ "امینیہ" کی طرف نسبت ہے۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ نسبت مولانا کے "نظریہ امانت" کی غماز ہے۔ جس کو انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب اسلام کا زرعی نظام میں پیش کیا ہے۔ بعض وجوہ اور حالات کی

نامساعدت کی وجہ سے اس نظریہ کو فروغ نہ مل سکا اور لوگوں نے "امینی" کو مدرسہ کی طرف نسبت سمجھ لیا۔

امینیہ سے فارغ ہوتے ہی مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے آپ کی عمدہ صلاحیتوں کے پیش نظر اپنی ذمہ پر میواتیوں کے مشہور مدرسہ، مدرسہ سبحانیہ میں جو اس وقت قرول باغ دہلی میں تھا مدرس کی حیثیت سے بھیج دیا۔ مشہور عالم، مولینا عبدالمنان صاحب، مولانا عبدالغفار صاحب صدر مدرس و شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی اور مولانا محمد اسحاق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح (میوات) نے اسی زمانہ میں آپ سے فیض حاصل کیا۔ اسی دور میں آپ کے تعلقات ندوۃ المصنفین کے بانی مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی اور "برہان" کے مدیر مولینا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم سے استوار ہو گئے تھے جو تادم حیات باقی رہے لیکن مولینا کو مدرسہ سبحانیہ کی فضا راس نہ آئی اس لیے جلد ہی دارالعلوم ندوۃ العلماء چلے گئے، یہاں کی علمی محفلوں سے مولینا خود بھی مستفید ہوئے بلکہ مولانا کی آمد سے ان میں رونق آگئی، لیکن مولانا یہاں بھی زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکے آپ کو جلد ہی ندوۃ العلماء سے سبکدوش ہو جانا پڑا۔ اس کے بعد آپ جامع العلوم کانپور اور وہاں سے مستعفی ہو کر مدرسہ ثانویہ ناگپور (مہاراشٹر) تشریف لے گئے، یہیں آپ نے اپنی سب سے مشہور کتاب "اسلام کا زرعی نظام" لکھی یہ مولانا کی پہلی باضابطہ تصنیف تھی۔ ناگپور کے مدرسہ سے سبکدوش ہوئے تو دارالعلوم معینیہ اجمیر میں خدمات شروع کر دیں۔ یہاں آپ نے اپنی دوسری مشہور کتاب "فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر" لکھی۔

اگرچہ مولینا ایک کامیاب مدرس تھے اور مختلف مدرسوں اور علاقوں

میں ایک عرصہ تک خدمات انجام دیتے رہنے سے مزید تجربات ہو گئے تھے۔ مگر مولانا کے مزاج میں جو فطری آزادی ودیعت کی ہوئی تھی اور آزادانہ کام کرنے کا جو مادہ مولانا کی طبیعت کا جزو ثانی تھا وہ مولانا کو کسی جگہ جمنے نہیں دیتا تھا۔ مولانا چاہتے تھے کہ انہیں ایسا میدان عمل مہیا ہو جائے جہاں وہ آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کی ترجمانی کر سکیں۔ اپنی تصنیفی اور تالیفی سرگرمیوں کو بغیر کسی کی مداخلت کے جاری رکھ سکیں جہاں ان کے خیالات پر کسی مہتمم یا صدر مدرس کی قدغن کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے مولانا کی منشاء کے مطابق انہیں جگہ دلوادی۔ آپ سنہ ۱۹۶۴ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ دینیات میں لکچرر کی حیثیت سے مقرر ہو گئے۔

علیگڑھ میں مولانا کے لیے جہاں اور سہولیات تھیں وہاں ایک خاص قابل ذکر بات یہ ہے کہ مولانا سعید احمد اکبرآبادی علیہ الرحمۃ اور مولانا فضل الرحمٰن گنوری جیسے دانشوروں کی رفاقت مل گئی۔

مولانا کو جو معاشی بے فکری اور اظہار خیال کی آزادی نصیب ہوئی تو آپ نے اپنی بہترین صلاحیتوں کو تصنیف و تالیف کے میدان میں وقف کر دیا۔ اپنی پوری توجہ تحقیق و تصنیف پر مبذول کر دی اور اس میدان میں بہت ہی مختصر وقت میں وہ حیرت انگیز کارکردگی کا اظہار کیا کہ لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ یونیورسٹی کے ارباب انتظام نے اس غیر معمولی ذہانت کا اعتراف کرتے ہوئے لکچررسے براہ راست پروفیسر بنادیا۔ مولانا خود فرماتے تھے کہ "اللہ کا شکر ہے مجھے پروفیسر بننے کے لیے نہ کسی کی سفارش کی ضرورت پیش آئی اور نہ ہی درخواست دینے کی، خود بہ خود پروموشن ہوتا گیا۔"

مولانا محمد تقی امینی صاحب یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے پروفیسر اور

[illegible] بھی ہے۔ آپ نے اس شعبہ کے بکھرے وقار کو مستحکم کیا اور اس کی ہیئت منوائی۔ آپ کی اور مولانا سعید اکبر آبادی ہی کی شبانہ روز کی محنتوں کے نتیجہ میں اس شعبہ کی علیحدہ عمارت بنی اور لائبریری بھی۔ اس شعبہ میں آپ نے نظامت دینیات کے فرائض بھی انجام دیئے۔

اگرچہ آپ کی عمر ریٹائرڈ ہونے کی ہو چکی تھی مگر صحت اچھی تھی — اور یونیورسٹی کے اربابِ انتظام کا اصرار تھا اس لئے ابھی خدمات انجام دے رہے تھے۔ مگر تین سال قبل اچانک گٹھیا کے مرض نے شدید حملہ کیا اور چند ہی مہینوں میں بالکل صاحبِ فراش ہو گئے۔ ایک سال پہلے تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ شاید مولانا داعیِ اجل کو لبیک کہنے والے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور پھر روبصحت معلوم ہونے لگے۔ بلکہ خاصے صحت مند محسوس ہونے لگے تھے۔ تاہم سردی میں شدت کی وجہ سے عموماً گھر ہی میں رہتے تھے۔ اگر دھوپ تیز ہوتی تو کبھی کبھی چہل قدمی بھی کر لیتے تھے۔ حکیم کلیم اللہ صاحب کا علاج چل رہا تھا اور اس سے خاصے مطمئن تھے۔

آج ہی ۲۱ دسمبر کو صبح مجھے بلوایا اور کہا "ہماری طبیعت کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔ ذرا حکیم صاحب کو میرا حال بتا آؤ" میں نے سائیکل لی اور فوراً دوا لے کر آگیا اس وقت یہی کوئی سوا گیارہ بجے تھے۔ مولانا دھوپ سینک رہے تھے۔ میں اجازت لے کر اندر گیا اور دوا پیش کی۔ دوا لیتے ہوئے مولانا نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔ "میاں تم آتے ہی نہیں میں نے تم سے کہا تھا ہر روز آیا کرو تم سے مل کر طبیعت ذرا خوش ہو جاتی ہے اور کچھ علمی باتیں بھی ہو جاتی ہیں" میں نے عرض کیا۔ "حضرت آپ کی خرابی صحت کی وجہ سے پابندی نہیں کر پاتا کہیں تکلیف نہ ہو" فرمایا۔ "آیا کرو ہمیں تمہارا انتظار

رہتا ہے"۔ میں نے وعدہ کرلیا اور چلا آیا۔ ابھی مجھے آئے ہوئے تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ایک عزیز نے آکر اطلاع دی، مولانا محمد تقی امینی صاحب چل بسے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تقریباً ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا جب اُمّت کا یہ درشاہوار، یہ تابندہ و درخشندہ ستارہ اور یہ آفتاب غروب ہوگیا۔

وہ ایک دل جو چمک رہا تھا خلوص و ایماں کی تابشوں سے
خلوص و ایماں کے دشمنوں کو خبر سناؤ کہ وہ بھی ڈوبا

پروفیسر مولانا محمد تقی امینی صاحب کے آخری دنوں میں مجھے خاص طور پر ان کی خدمت میں رہنے کا موقعہ حاصل ہوا۔ ان دنوں میں عموماً آپ کی خدمت میں حاضری دیتا رہتا تھا۔ میں نے مولانا کے مزاج میں جو خاص عناصر ترکیبی پائے جن سے کوئی بھی شخصیت تشکیل پاتی ہے وہ ان کی سادگی تھی۔ وہ انتہائی سادہ طبیعت کے انسان تھے۔ نام و نمود، شہرت و ناموری، عجب و خود بینی، غرور و تکبر، کبر و نخوت، حسد و جلن وغیرہ بُری صفات سے قطعی مبرا تھے۔ بلکہ ان کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ بھیڑ بھاڑ، جلسے جلوس سے آپ کی طبیعت گھبراتی تھی۔ اگرچہ آپ شعلہ بیان خطیب تھے مگر یونیورسٹی کی جامع مسجد کے علاوہ کہیں بھی کیسا بھی جلسہ ہو اس میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ آپ زیادہ تر گوشہ گیر ہی رہتے تھے۔

آپ کے مزاج کا دوسرا اہم عنصر محبت تھا۔ آپ ہر کسی سے محبت کرتے تھے، بلکہ محبت ہی آپ کی طبیعت کا غالب پہلو تھا۔ آپ کی محبت کا فیض اتنا عام تھا کہ اس میں کسی طبقہ، یا گروہ، کسی مسلک یا مذہب، کسی ذات یا برادری کی کوئی قید نہیں تھی۔ جس طرح ایک بڑا آدمی آپ کی محبت میں

شریک ہوسکتا تھا اسی طرح ایک چھوٹا آدمی بھی۔ آپ جیسے ایک مسلم کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے اسی طرح ایک غیر مسلم کو بھی۔ جس طرح آپ کے جذبات محبت عالموں کے لئے تھے اسی طرح جاہلوں کے لیے تھے۔ آپ فسادات کی خبریں سن کر بے چین ہوجایا کرتے تھے۔ آنکھیں پرنم ہوجاتی تھیں۔ کہتے تھے۔ "جس گھر کا کوئی فرد اس جنون کی نذر ہوگیا اس گھر کا کیا عالم ہوگا؟"

مولانا کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت محبت کا ہی ثمرہ تھا کہ ان کے انتقال کی خبر سنتے ہی جہاں یونیورسٹی کے اعلیٰ ذمہ داران اور اساتذہ وطلبہ کا سیلاب امنڈ آیا وہیں محلے کے معمولی مزدور اور جھگیوں میں رہنے والوں کی آنکھیں بھی اشکبار ہو اٹھیں۔

مولانا بچوں پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ اگر کسی کا کوئی مضمون شائع ہوجاتا تو اسے انعام دیتے۔ چاہے بلوا کر ہی دینا پڑتا معمولی معمولی کاموں پر بہت زیادہ احسان مندی کا اظہار فرماتے حتیٰ کہ کبھی کبھی تو کام کرنے والا شرمندگی محسوس کرنے لگتا۔

مولانا اگرچہ زندگی بھر استاد رہے۔ تمام علوم دینیہ کی وقتاً فوقتاً تدریس کی خدمات انجام دیں لیکن مولانا کا اصل کارنامہ ان کی تصنیفات ہیں مولانا نے متنوع موضوعات پر اتنا تصنیفی کام کیا ہے کہ ایک آدمی سے اس کی مختصر سی زندگی میں اس کی توقع بہت ہی مشکل سے کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ مولانا کی کتابیں تین درجن کے قریب ہیں۔ لیکن موضوع کے تنوع بلکہ نیاپن سے ان کی حیثیت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔

اگر ان کی کتاب 'اسلام کا زرعی نظام' اور 'فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' سامنے ہو تو وہ ایک بالغ نظر فقیہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور اگر 'احکام

شریعہ میں حالات و زمانہ کی رعایت' 'اجتہاد کا تاریخی پس منظر' 'اجتہاد کا اسلامی نقطہ نظر ہے' اور 'مقالات احسنی' سامنے ہو تو اعلیٰ درجہ اصول فقہ کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ اگر 'حدیث کا درایتی معیار' سامنے ہو تو ان کی محدثانہ وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور اگر 'تہذیب کی تشکیل جدید' 'مذہبی دور کا تاریخی پس منظر' 'عروج و زوال کا الٰہی نظام' 'مذاہب میں مفاہمت کے اصول' 'عہد جدید کی اجتماعی مشکلات' 'فتنہ الحاد اسباب اور' کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تہذیب و تمدن' عروج و زوال کے اصول پر ان کی کتنی گہری نظر تھی۔

ان کے علاوہ متعدد موضوعات پر ان کی عمدہ تصنیفات ہیں جو ان کی دقت نظر' وسعت مطالعہ اور اعلیٰ مقام کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کی تصنیفات کے متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں اور مختلف ممالک میں بڑی کثرت کے ساتھ ان کو پذیرائی مل رہی ہے۔ اور آخر میں 'حکمۃ القرآن' کے نام سے قرآنیات پر ایک عمدہ کتاب لکھی تھی۔ اور اب 'ہدایۃ القرآن' کے نام سے تفسیر لکھ رہے تھے۔ مگر افسوس کہ اس کے چھ اجزاء بھی مکمل نہ ہو سکے۔

مولانا نے ایک علمی پندرہ روزہ "احتساب" بھی جاری کیا تھا جو ایک عرصہ تک فقہ و اسلامیات پر قابل قدر مواد پیش کرتا رہا لیکن مولانا کی خرابی صحت کے سبب بند ہو گیا۔ کاش کہ کوئی مولانا کی نگارشات کو زندہ رکھے۔

(ختم شد)